ادیب سہیل

خوشبو کی سفیر

پروین شاکر سے میری ملاقات روبرو نہ ہوسکی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ میں سابق مشرقی پاکستان میں قیام کرتا تھا اور وہ کراچی میں مقیم تھی۔ لیکن مجلّہ ''فنون'' کے ذریعے ایک تسلسل کے ساتھ اس کی تخلیقات سے ملاقات ہوتی رہتی تھی اور سقوط مشرقی پاکستان کے بعد جب ۱۹۷۴ء میں کراچی آیا تو ادبی جلسوں میں روبرو ملاقات کی صورت بار بار نکلی لیکن یہاں میری افتادِ طبع درمیان میں آئی اور بات دور کے جلوے سے آگے نہ بڑھ سکی۔ حالانکہ پروین شاکر کے خاندان سے ایسی اجنبیت بھی نہیں تھی۔ پروین شاکر سے ملنے کا ایک حوالہ اختر پیامی بھی تھے۔ ان کی پروین شاکر کے خاندان سے قرابت ہے۔ یہیں پیامی کی بچی کی شادی میں پروین شاکر کے والد شاکر صاحب سے ملاقات کا موقع ملا تھا۔ ان کے توسط سے رابطہ کیا جا سکتا تھا۔ دوسرا حوالہ چون، بچپن برس پرانا بھی کام میں لایا جا سکتا تھا۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے پروین شاکر کے والد شاکر صاحب اور میں، ایک میں ہی کیا قرب و جوار کے گاؤں کے تمام میری عمر کے مسلمان طالب علم اسلامیہ ہائی اسکول شیخ پورہ میں پڑھنے آتے تھے۔ چند ایک کا رخ ڈی۔ ایم۔ ایچ۔ ای اسکول کی طرف بھی ہوتا تھا، اس مضافاتی شہر میں یہی دو ہائی اسکول تھے۔ شاکر صاحب اور میں اسی اسلامیہ اسکول میں آگے پیچھے کے درجوں میں طالب علم تھے۔

سب سے بڑا حوالہ ذوقِ شعری کی مطابقت ہوسکتا تھا۔ جس کے سبب ہم دونوں ایک دوسرے کے ملاقی نہ ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے قریب تر تھے۔ اس کی تخلیق ''خوشبو'' سے ہر ذہن متاثر ہو رہا تھا۔ ایک نکلتا ہوا اور قد آوری کی طرف بڑھتا ہوا شعری قد اور نام۔ اس کا شعری مجموعہ ''خوشبو'' نئی نسل اور نئے ذہن کے لیے من بھاتا کھاجا، اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ اس کے پہلے شعری مجموعہ ''خوشبو'' کی پذیرائی بھی خوشبو

Scanned by CamScanner

کی طرح ہی ہوئی ۔ پرانی نسل کے اچھے اذہان اس بات پر خوش کہ چراغ سے چراغ جلنے کا خوشنما عمل آگے بڑھ رہا ہے چندا کے دل میں یہ کھٹک بھی کہ شہرت کی دیوی اس پر کیوں اتنی مہربان ہوگئی۔

پروین شاکر سے میرا ایک اور رشتہ مٹی کا بھی بنتا ہے۔ لیکن اب اس کا ذکر ''بعد محرم یا حسین'' ہے۔ صرف تاریخی ریکارڈ درست رکھنے کے لیے اس قدر سپرد قلم کیے دیتا ہوں۔ شہر شیخ پورہ سے دو تین میل کے فاصلے پر ایک گاؤں حسین آباد ہے۔ جو پروین شاکر کا ددھیال ہے۔ اس کے جدامجد یہیں رہتے تھے۔ خود میرے پردادا حکیم سید علی حسین یہیں سے آکر چار پانچ میل کے فاصلے پر ایک قصبہ چوارہ میں آباد ہو گئے تھے لیکن یہ تو ماضی کی باتیں ہیں۔ اس خاکستر کو کریدنے کا اب کچھ حاصل نہیں۔ (اب تو چوارہ میں اپنی جائے پیدائش بھی مع کھڑکی دروازوں کے مکمل طور پر ذہن میں نہیں آتی) مبادا لوگ یہ نہ سمجھ لیں کہ لکھنے والا پروین شاکر سے اپنی قربت جتانا چاہتا ہے۔

پروین شاکر پچاس کی دہائی میں (۱۹۵۲ء یا ۱۹۵۳ء) کراچی میں پیدا ہوئی تھی اس لیے وہ Krachite یا سندھی تھی، کبھی کبھی وہ جڑ کی تلاش میں اپنے آبا و اجداد کی سرزمین کو یاد کر لیتی تھی، یہ یاد کرنا کوئی عجب فعل نہیں، یہ فطری امر ہے۔ ابتدائے آفرینش سے، سبب کچھ بھی ہو، ایک ملک سے دوسرے ملک، ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک براعظم سے دوسرے براعظم میں ہجرت کا سلسلہ جاری ہے۔ انفرادی اور اجتماعی ہر دو صورتوں میں انگریزی کا ایک عظیم شاعر لارڈ بائرن اپنے مہاجرت کے احساس کو یوں بیان کرتا ہے:

''ہجرت کرنے والی نسل نئی سرزمین میں دنیا بھر کی آسودگی بھی
حاصل کر لے، لیکن اپنی مٹی کی یاد سے چین لینے نہیں دیتی''۔

جڑ کی تلاش ہجرت کے بطن سے پھوٹتی ہے۔ یہ ایک بے اختیاری جذبہ ہے۔ ادب کا یہ بڑا دیرینہ موضوع ہے۔ ادیب و شاعر جب قلم اٹھاتا ہے تو اس کی تخلیقات میں یہ بے اختیاری

Scanned by CamScanner

جذبہ رنگ رنگ سے ظاہر ہوتا ہے۔ دنیا کی کسی بھی زبان کے ادب میں اس موضوع کے توسط سے یگانہ روزگار تخلیقات، ڈرامے، شاعری اور ناول معرض وجود میں آچکے ہیں۔ ایسی ہی ایک تحریر کو ''Roots'' کے نام سے فلمایا بھی گیا ہے۔

پروین شاکر کی شاعری کی انفرادیت وخصوصیت ''چراغ سے چراغ جلنے'' سے قطع نظر یہ ہے کہ اس نے زبان و بیان اور لب ولہجہ کی ایک اپنی کائنات ترتیب دی ہے، لیکن اتنا کہہ دینے سے بات واضح نہیں ہوتی، اس طرح کا اظہار گھسے پٹے جملوں سے کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ اس بارے میں قدرے تفصیل سے گفتگو کرتا چلوں۔ شاعری میں جس جدت اور عورت پن کے اظہار کا آغاز ادا جعفری نے ۱۹۴۶ء کے آس پاس کیا تھا۔ پروین شاکر کی شاعری اس کی خوب صورت توسیع ہے۔ ادا جعفری نے عورت پن کے اظہار میں شائستگی کا لب ولہجہ رکھا۔ کشور ناہید نے اس کو مختلف اظہاری ڈائمنشن عطا کیے۔ ''عورت پن'' شعروں میں کھل کر آ گیا۔ اظہار کے اعتبار سے اب یہ عورت آدھی نہیں ایک مکمل عورت تھی۔ کشور ناہید نے ''عورت پن'' کے اظہار میں، اپنے کلام کی رسائی کو اس دائرہ تک یقینی بنایا جو شجر ممنوعہ تصور ہوتا ہے۔ (آپ اسے عالمی عورت کی تحریک Feminism کے حوالے سے بھی دیکھ سکتے ہیں۔) فہمیدہ ریاض کے ہاں عورت اور اس کا عورت پن کچھ اور جارح ہو گیا۔ شاعری میں ''عورت پن'' کے لحاظ سے فہمیدہ ریاض، کشور ناہید کے قریب ٹھہرتی ہیں اور پروین شاکر ادا جعفری کے قریب۔ ان چاروں خواتین شعرا کے ہاں ''عورت پن'' کی گوناگوں شکلیں، ان کے شعری کارناموں میں ظاہر ہوتی ہیں اور یہ کارواں آگے بھی بڑھا ہے۔ جہاں مرد اب تک غزل کے قالب میں محبوبہ (عورت) کے لیے تذکیر کا صیغہ استعمال کرتے ہیں وہاں شعروں میں ''عورت پن'' کو اس کی تمام سچائی اور تانیثیت کے ساتھ پیش کرنا، ان چاروں شعرا کے ضمن میں انقلابی اقدام کا درجہ رکھتا ہے۔ یہی ان کی پہچان بھی بناتا ہے۔

پروین شاکر کے ایک کرم فرمانے اس پر لکھتے ہوئے اسے غزل کے حوالے سے

Scanned by CamScanner

میرؔ و غالبؔ کے بعد تیسرے نمبر پر رکھا اور اس درمیان کے تمام ادوار اور ان ادوار کے سارے اہم غزل گو شعرا کو روندتے ہوئے گزر گئے۔ حالانکہ مجھے یقین ہے اگر پروین شاکر زندہ ہوتی اور اسے پڑھ لیتی تو اپنے کانوں پر ہاتھ دھرتی اور اپنے محسن کو خوش نگاہی سے نہ دیکھتی کہ متوازن ذہن اس طرح کی توصیف نہیں کیا کرتا یا اگر بر بنائے شائستہ ادھر نظر کرتی تو تبسم زیر لب کے ساتھ!

پھر انہیں صاحب نے اسی ذہن و زبان سے نظم کے معاملے میں پروین شاکر کو ایسا زمین پر لا کر پٹخا کہ اس کی خوب صورت نظموں کے بدن پر آرائشی لوازم، کلائیوں میں سُر جگاتی ہوئی چوڑیاں اور اس کے بصیرت کے آبگینے چکنا چور ہو گئے۔ میں تو پروین شاکر کے ان کرم فرما کے مضمون کو پڑھ کر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ صاحب باتونی بہت ہیں اور باتونی ہونے کی وجہ سے وہ کچھ بھی کہہ گئے جو انہیں نہیں کہنا چاہیے تھا اور وہ ایسا کہتے ہوئے وہ دروازے بھی بند کر گئے جو دانا لوگ واپس لوٹنے کے لیے کھلا رکھ چھوڑتے ہیں۔

ماہ تمام میں پروین شاکر کی شاعری کا بہت بڑا حصہ نظموں پر مشتمل ہے اور ان نظموں میں جستہ جستہ وہ سب آ گیا ہے جسے عرف عام میں عصری آگہی کہا جاتا ہے۔ پروین شاکر کے ہاں غم ذات اور غم دنیا ایک سنگم میں بہتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ رشتہ ایک الگ تجزیے کا متقاضی ہے۔ اس پر چلتا پھرتا ریمارک یا اس سے سرسری گزرنا، اس کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔ شاعر غم ذات کی بات کر رہا ہو یا غم زمانہ کی۔ اس کی تحریک دل زدگی کے بغیر ممکن نہیں۔ البتہ بعض وقت اظہار کسی خیال و فکر کو اس کے حسب دل خواہ قالب عطا نہیں کر پاتا۔ اس لیے بیان واقعہ کا سا انداز نظر آتا ہے۔ وہ واردات نہیں ہو پاتا۔ یہ خامی ایک پروین کے ہاں کیا دنیا کی کسی بھی زبان کے اہم شاعر کے ہاں دیکھی جا سکتی ہے کہ بعض اوقات خیال و فکر مچھلی کی طرح گرفت سے پھسل پھسل جاتا ہے، اس سے قطع نظر باغ کے مجموعی حسن میں اس گھاس کی بھی اہمیت ہے جسے ہم غیر ضروری سمجھ کر اکھاڑ پھینکنا چاہتے ہیں۔

Scanned by CamScanner

پروین شاکر کی نظموں کو ''آمد'' سے خالی اور اس کے محرک میں ''آورد'' (آوردمروجہ مفہوم میں) کی نشان دہی کرنا کچھ مناسب نہ ہوگا اور دو ایک کو چھوڑ کر اس کی تمام نظموں کو بھرتی کا کہنا تو ستم بالائے ستم کہا جائے گا۔ تخلیقی فن کے تجزیے کا یہ طریقہ صائب ہرگز نہیں ہوسکتا اور تخلیقی فن میں بھی منظوم کلام کا۔

بیدل عظیم آبادی نے اپنی نثری تصانیف (چہار عنصر، تذکرہ) میں کہیں لکھا ہے۔ بغیر جزوی یا کلی مشاہدے کے دل میں تصور کا ورود ممکن نہیں اور مشاہدے کا تعلق باہر سے ہے۔ اسی بات کو ذرا ''آمد'' اور ''آورد'' کے حوالے سے دیکھا جائے تو آمد کا تعلق دل سے بتایا جاتا ہے اور آورد کا تعلق باہر سے ہے تو کیا آمد کی کسی صورت کی ''تجسیم'' آورد کے بغیر ممکن ہے؟ یہ ایک سوال ہے اس کا جواب قارئین پر چھوڑتا ہوں۔

پروین شاکر کا ذکر کرتے ہوئے ایران کی اہم ترین شاعرہ فروغ فرخ زاد یاد آرہی ہے۔ دونوں شاعرات میں حیران کن مماثلت ہے۔ فروغ فرخ زاد ۱۹۳۴ء میں پیدا ہوئیں، ۳۳ برس زندہ رہیں اور ۱۹۶۶ء میں کار کے ایکسیڈنٹ میں انتقال کر گئیں۔ پروین شاکر ۱۹۵۲ء میں پیدا ہوئیں، ۱۹۹۴ء میں دفتر جاتے ہوئے کار کے حادثے میں جاں بحق ہوگئیں، ۴۲ برس زندہ رہیں۔

فروغ فرخ زاد کی سولہ برس کی عمر میں شادی ہوئی۔ ایک سال بعد اس کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام ''کام یار'' رکھا گیا۔ اس کی پیدائش کے بعد وہ ساعت آگئی جب اسے فیصلہ کرنا تھا کہ وہ خاندانی زندگی اور شاعری میں سے کسی ایک کا انتخاب کرے۔ چنانچہ فروغ فرخ زاد نے شاعری کو منتخب کرلیا اور شوہر سے طلاق لے کر گھر سے نکل گئی۔ اس کا نوزائیدہ بچہ پیچھے چھوٹ گیا۔ اس پر وہ لکھتی ہے:

میں جانتی ہوں کہ اس دور افتادہ گھر سے
زندگی کی خوشیاں پرواز کر گئی ہیں
مجھے اس کا بھی علم ہے کہ ایک بچہ

Scanned by CamScanner

ماں کی جدائی میں غم سے بے حال ہو رہا ہے
لیکن میں نڈھال اور پریشان
اپنی راہ آرزو پر چل پڑی ہوں
شاعری میری عزیز ترین محبوب ہے
اسے میں ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتی ہوں

(حوالہ مشاہیر کراچی، ترجمہ ظہیر مشرقی)

پروین شاکر کی شادی کے بعد جب گود ہری ہوتی ہے تو اسے بھی اسی امتحان سے گزرنا پڑتا ہے جس سے فروغ فرخ زاد گزری تھی، شوہر کی جانب سے پروین شاکر کی شاعری اور شاعرانہ سرگرمیوں کے لیے شیفتگی پر قدغن شروع ہوا۔ گھر بار اور خاندانی مشاغل کو اس پر ترجیح دینے کا مطالبہ ہوتا ہے، کچھ دیر تو پروین شاکر دونوں کو ساتھ لے کر چلنے کی سعی کرتی ہے۔ لیکن شوہر اور اس کے اہل خاندان کی طرف سے کسی ایک طرف ہونے کے پیہم اصرار کی وجہ سے پروین کا فیصلہ شاعری کے حق میں ہوتا ہے اور پھر زن و شوہر میں ایک طرح کی Agreed علیحدگی ہو جاتی ہے اور معاملہ طلاق پر آ کر رکتا ہے فروغ فرخ زاد اور پروین شاکر کے غم میں جو فرق ہے وہ یہ کہ ایک کا جگر گوشہ پالنے پر سے چھین لیا گیا، دوسرے کا بچہ (مراد) اس کے ساتھ رہا۔ (اور اب پروین کی واحد نشانی یہ لڑکا ماشاءاللہ دس پندرہ برس کا ہے)۔

دونوں کی شاعری میں ''عورت پن'' پوری سچائی کے ساتھ اجاگر ہوتا ہے، ان کا محبوب نہ خیالی ہے نہ فرضی ہے، ان کا تخاطب مرد سے ہے، ایک سچی عورت کے روپ میں۔ فروغ فرخ زاد کے لیے ناقدین کا کہنا ہے کہ اس کے ہاں جو شاعری میں عورت کی آواز دیکھی جاتی ہے وہ مدت دراز سے مقید عورت کی آواز ہے، فروغ فرخ زاد کا خیال ہے کہ ''اظہار ذات کے لیے آرٹ کے انتخاب کا یہ مطلب ہے کہ شاعرہ اپنی جنسیت کو اپنے آرٹ کی حد کے اندر رکھے''۔ پروین شاکر نے بھی کم و بیش یہی

Scanned by CamScanner

کیا ہے۔ ''عورت پن'' کا ہر طرح اپنی شاعری میں اظہار کیا ہے لیکن نہایت شائستگی کے ساتھ۔

فروغ فرخ زاد کی شاعری کا ارتقا مرحلہ وار ہوا ہے یعنی آغاز رومانویت سے ہوتا ہے، بعد ازاں مسائل حیات اس دائرے میں داخل ہو جاتے ہیں۔ فروغ کے شعری مجموعے ''اسیر''، ''عصیاں'' اور ''دیوار کے بعد'' جب ''تولد دیگر'' شائع ہوتا ہے تو شاعری کا لہجہ بدل جاتا ہے وہ کہتی ہے:

> ''میں سمجھتی ہوں کہ وہ تمام لوگ جو آرٹسٹ ہیں ان کی کم از کم ایک علت بلکہ ایک طرح نادانستہ حاجت ہے زوال کے سامنے ڈٹ جانے اور مقابلہ کرنے کی''۔

(بہروز جلالی رظہیر مشرقی)

پروین شاکر کی شاعری کا ارتقا بھی کچھ اسی طور سے ہوا ہے۔ ''خوشبو'' اور ''صد برگ'' کے بعد ''خود کلامی'' اور ''انکار'' میں افکار و مسائل روزگار اپنی تمام توانائی کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں۔

غرضکہ آرٹسٹ کی جبلّت میں داخل ہے کہ زوال کے خلاف وہ خاموش تماشائی نہیں رہ سکتا۔ وہ نہ اس کے روبرو آنکھیں بند کر کے رہ سکتا ہے نہ اس کے سائے سے کترا کے چلنے کا وتیرہ اختیار کر سکتا ہے۔ وہ اپنے اندر پرورش پاتی ہوئی نادانستہ حاجت کے دباؤ کے تحت اپنے افکار و قلم سے ہر بدصورتی کے خلاف نبرد آزما رہتا ہے، اور زہر کا پیالہ پینے سے لے سرِ دار مسکرانے تک کی منزلیں طے کرتا آیا ہے، فروغ فرخ زاد اور پروین شاکر اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ دونوں کے اپنے ذہنی ارتباط و مطابقت کی تفہیم کے لیے پروین شاکر کی یہ نظم پڑھیے:

فروغ فرخ زاد کے لیے ایک نظم:

مصاحبِ شاہ سے کہو کہ

فقیہ، اعظم بھی آج تصدیق کر گئے ہیں
کہ فصل، پھر سے گناہ گاروں کی پک گئی ہے
حضور کی جنبش نظر کے
تمام جلاد منتظر ہیں
کہ کون سی حد جناب جاری کریں
تو تعمیل بندگی ہو.....

کہاں پہ اسرار اور کہاں پہ دستار اتارنا احسن العمل ہے
کہاں پہ ہاتھوں، کہاں زبانوں کو قطع کیجیے
کہاں پہ دروازہ رزق کا بند کرنا ہوگا
کہاں پہ آسائشوں کی، بھوکوں کو مار دیجیے
کہاں بٹے گی لعان کی چھوٹ
اور کہاں پر
رجم کے احکام جاری ہوں گے
کہاں پہ نو سالہ بچیاں، چہل سالہ مردوں کے ساتھ
سنگین میں پرونے کا حکم ہوگا.....
کہاں پہ اقبالی ملزموں کو
کسی طرح شک کا فائدہ ہو
کہاں پہ معصوم دار پر کھینچنا پڑے گا
حضور احکام جو بھی جاری کریں
فقط التجا یہ ہوگی
کہ اپنے ارشاد عالیہ کو
زبانی رکھیں

Scanned by CamScanner

وگرنہ قانونی الجھنیں ہیں

(خود کلامی)

پروین شاکر کا فکر اجلا ہے اور نظر یہ شفاف ! اسی لیے جو باتیں شعر میں کہی گئی ہیں خواہ اس کا پیرایہ علامت کا ہو یا راست گوئی کا قارئین پر معاً اثر انداز ہوتی ہیں اور دل میں اتر جاتی ہیں ۔ میں اس شاعرہ کے غم کے سیاق وسباق پر اکثر غور کرتا ہوں جو شعروں کی صورت میں منظر عام پر آئے ہیں تو ان میں مجھے پچھتاوے کی آنچ بھی محسوس نہیں ہوتی ہے ۔ اس کی شاعری میں ایک اور منفرد اور فراخ دلانہ رخ یہ ہے کہ اس نے ناکردہ گناہ کا الزام بھی اپنے سر لے لیا ہے اور اس کا قصوروار اپنے شوہر کو کہیں نہیں ٹھہرایا ہے ۔ جو اس کا مخاطب بھی اور محبوب بھی ہے ۔ اس سے قطع تعلق کے باوجود ۔ جبکہ یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ تالیاں دونوں ہاتھوں سے بجتی ہیں اور اس علیحدگی میں اس کا Counter Part اس سے بری الذمہ نہیں ہوسکتا ۔ وسعت قلب اور محبت کے پاس کے تقاضے کے تحت کہیں شمہ برابر کو بھی اس شاعرہ کے لب و لہجے میں ، جھلاہٹ ، درشتی اور برہمی کا عنصر نہیں آتا ۔ اس کی معراج یہ ہے کہ اس نے شکایت کے لہجے کا بھی اپنے بیٹے مراد کے باپ کو سزاوار نہیں کیا ۔ اگر کبھی زیر لب شکایت بھی کی تو بڑی اپنائیت کے ساتھ ۔ جس سے اس کا احساس غم چمک اٹھا اور شعر میں ترفع پیدا ہوگیا ہے ۔

پروین شاکر کی شاعری میں ہر جگہ محبوب سے بچھڑنے کا غم ہے ، جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ فروغ فرخ زاد اور پروین شاکر میں بڑی مماثلت ہے ایک ہی سبب کی بنا پر دونوں کی شوہر سے جدائی واقع ہوئی ، دونوں کے درمیان ایک بچہ رابطے کا وسیلہ رہا ۔ طلاق کے بعد ان دونوں کے شوہروں کی شوہریت تو ختم ہوگئی لیکن محبوبیت شاید قائم رہی ۔ اس کی آنچ پروین کے ہاں تیز ہوتی ہے اس ادبی مفارقت کا ذمے دار کون ہے یہ کہنا مشکل ہے ۔ دیکھا گیا ہے کہ دو دل اسی طرح کچھ دیر کے لیے آپس میں ملتے ہیں ، اور پھر جدا ہو جاتے ہیں ۔ دوبارہ نہ ملنے کے لیے ۔ اپنے پیچھے دائمی فراق

Scanned by CamScanner

اور دائمی پچھتاوے چھوڑ کر!

پروین شاکر کی تمام غزلیہ شاعری میں علیحدگی کے اس وقوعہ پر غم کا احساس ملتا ہے، اور کوئی نہ کوئی شعر اس کی خوبصورت عکاسی کرتا ہے۔ پروین شاکر نے اپنے اسی غم کو شعر کے ذریعے ہزاروں رنگ عطا کر دیے ہیں، جو ان کے کلیات ''ماہ تمام'' میں جابجا بکھرا ہے۔ پروین شاکر نے فراق ابد کا عذاب جو اپنی شاعری کے لیے قبول کیا ہے اور پھر بھی بدمزہ نہ ہوئی۔ اس کی گوناگوں صورت اس کے اشعار میں دیکھیے اور داد دیجیے:

کوئی سوال جو پوچھے تو کیا کہوں اس سے
بچھڑنے والے سبب تو بتا جدائی کا
نہ دے سکا مجھے تعبیر، خواب تو بخشے
میں احترام کروں گی، تری بڑائی کا

آلودۂ سخن بھی نہ ہونے دیا اسے
ایسا بھی دکھ ملا جو کسی سے نہیں کہا

تیرا خیال کر کے میں خاموش ہو گئی
ورنہ زبان خلق سے کیا کیا نہیں سنا

میں جانتی ہوں میری بھلائی اسی میں تھی
لیکن یہ فیصلہ بھی کچھ اچھا نہیں ہوا

''خوشبو کہیں نہ جائے'' یہ اصرار ہے بہت
اور یہ بھی آرزو کہ ذرا زلف کھولیے

Scanned by CamScanner

ذرا سے جبر سے میں بھی تو ٹوٹ سکتی تھی
مری طرح سے طبیعت کا وہ بھی سخت نہ تھا

اس ترکِ رفاقت پہ پریشاں تو ہوں لیکن
اب تک کے ترے ساتھ پہ حیرت بھی بہت تھی

میرے لہجے میں غرور آیا تھا
اس کو حق تھا کہ شکایت کرتا

کچھ تو تھی میری خطا ورنہ وہ کیوں
اس طرح ترک رفاقت کرتا

وہ مجھ کو چھوڑ کے جس آدمی کے پاس گیا
برابری کا بھی ہوتا تو صبر آ جاتا

ہم نے خود سے بھی چھپایا اور سارے شہر کو
تیرے جانے کی خبر دیوار و در کرتے رہے

اسے پکارا تو ہونٹوں پہ کوئی نام نہ تھا
محبتوں کے سفر میں عجب فضا آئی

کہیں رہے وہ مگر خیریت کے ساتھ رہے
اٹھائے ہاتھ تو یاد ایک ہی دعا آئی

Scanned by CamScanner

جو خواب دینے پہ قادر تھا میری نظروں میں
عذاب دیتے ہوئے بھی مجھے خدا ہی لگا

میں سچ کہوں گی مگر پھر بھی ہار جاؤں گی
وہ جھوٹ بولے گا اور لاجواب کر دے گا

کمال ضبط کو خود بھی تو آزماؤں گی
میں اپنے ہاتھ سے اس کی دلہن سجاؤں گی

اب اس کا فن تو کسی اور سے ہوا منسوب
میں کس کی نظم اکیلے میں گنگناؤں گی

وہ ایک رشتۂ بے نام بھی نہیں لیکن
میں اب بھی اس کے اشارے پہ سر جھکاؤں گی

اس کی حرمت کا مرے دل کو بھی ہے پاس بہت
چپ رہے گا میری ناموس کی خاطر وہ بھی

میں تو اڑنا بھول جاؤں زندگی بھر کے لیے
بھر گیا ہے دل مگر مجھ سے مرے صیاد کا

اب تک وہی نشۂ پذیرائی
کل خواب میں اس کے گھر گئے تھے

Scanned by CamScanner

ملتا نہ تھا واپسی کا رستہ
کیا جانیے ہم کدھر گئے تھے

ہم خود بھی جدائی کا سبب تھے
اس کا ہی قصور سارا کب تھا

اور پروین شاکر کی وہ پوری غزل جس کا ایک مصرع ہے:

اس نے خوشبو کی طرح میری پذیرائی کی

پروین شاکر کی غزلیہ شاعری بھی اپنی مثال آپ ہے اور نظمیہ شاعری بھی اپنی مثال آپ ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ نظمیہ شاعری میں غم ذات کے ساتھ غم دوراں بہر عنوان اور بہ ہر جہت پھیل گیا ہے۔ اور غالب کی ''تنگنائے'' غزل والی شکایت کی تلافی کی ایک صورت پیدا ہوئی ہے۔ اس شکایت کی تلافی تو بہت پہلے علامہ اقبال نے کی اور اس طرح کی کہ نظم کا دامن ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل گیا اور پھیلاؤ میں افقی وعمودی دونوں سمتیں سمٹ آئیں۔ اقبال کی حیثیت تو اس میدان میں سب سے بلند چوٹی کی ہے لیکن وہ ہزاروں چوٹیاں جو بلند چوٹی کو یہ شناخت عطا کرتی ہیں، انھیں ہمیشہ نظروں میں اور یادوں میں رکھنا ضروری ہے اور ایسی چھوٹی چھوٹی چوٹیاں لاتعداد ہیں، انھیں کی ایک منفرد اور نکلتی ہوئی چوٹی میں پروین شاکر کا شمار بھی ہوتا ہے۔

پروین شاکر کی نظمیہ شاعری کے ذکر کا آغاز کرتے ہوئے اس کی ایک مختصر نظم پیش کرتا ہوں جس میں شاعرہ نے دل و ذہن میں پرورش پانے والے خدشات کا اظہار کیا ہے:

تمھارا کہنا ہے
تم مجھے بے پناہ شدت سے چاہتے ہو

Scanned by CamScanner

تمھاری چاہت
وصال کی آخری حدوں تک
میرے، فقط میرے نام ہوگی
مجھے یقیں ہے، مجھے یقیں ہے
مگر قسم کھانے والے لڑکے
تمھاری آنکھوں میں ایک تل ہے!

(شعری مجموعہ ''خوشبو'')

''آنکھوں میں تل ہونا'' ایک محاورہ ہے۔ لوگوں کی محفل میں اکثر موقع بہ موقع زبان زد ہوتا ہے۔ اس کا مفہوم بے وفائی ہے۔ آنکھوں میں تل ہونا! بے وفا ہونے کی علامت ہے۔ اور پروین شاکر کی ازدواجی زندگی میں جو واقعہ رونما ہوا۔ وہ اس محاورہ کی تصدیق بھی کرتا ہے!

پروین شاکر کی شاعری کا ایک رخ اس نظم ''شام میں توری گیا چراؤں'' میں نمایاں ہوتا ہے۔ یہ پوری نظم گیت کے لب و لہجے، میں سولہ شعروں پر مشتمل ہے۔ ردیف کا التزام غزل جیسا، پیکر تراشی نظم کی ہے، لیکن جذبات گیت کے عین مناسب ہیں، پروین شاکر کی نسل کے کتنے شاعر ہوں گے جو شام اور رادھا کے معاملات چھیڑ چھاڑ، اور رنگ رس اور بھرپور عاشقی کا ادراک رکھتے ہوں کہ ایسے موضوع کو اس کے تمام تر مبادیات و متعلقات کے ساتھ رقم کر سکتے ہوں، حسنِ بیان کی انتہا آخری شعر پہ ہوتی ہے:

آنکھ جب آئینے سے ہٹائی
شام سندر سے رادھا مل آئی
آئے سپنوں میں گوکل کے راجا
دیئے سکھیوں کو آئی بدھائی

Scanned by CamScanner

پریم جل خوب گاگر میں بھر لوں
آج بادل نے مایا لٹائی
کس کو پنگھٹ پہ جانے کی ضد تھی
کس سے گاگر نے بنتی کرائی
اوک سے پانی بہنے لگا تو
پیاس گردھر کی کیسے بجھائی
اب تو جل کا ہی آنچل بنا لوں
پیڑ پر کیوں چنریا سکھائی
اسی بالک سے نندیا ملے گی
جس نے ماتھے کی بندیا چرائی
رنگ ڈالی مری آتما تک
کیا منوہر کے من میں سمائی
میں نے سکھیوں کو کب کچھ بتایا
بیری پائل نے ہی جا لگائی
گوپیوں سے بھی کھیلیں کنہیا
اور ہم سے بھی میٹھی لڑائی!
کوئی خوشبو تو اچھی لگے گی!
پھول بھر بھر کے آنچل میں لائی
شام! میں توری گیاں چراؤں
مول لے لے تو میری کمائی
کرشن گوپال رستہ ہی بھولے
رادھا پیاری تو سدھ بھول آئی

Scanned by CamScanner

سارے سر ایک مرلی کی دھن میں
ایسی رچنا بھلا کس نے گائی
کیسا بندھن بندھا شام مورے
بات تیری سمجھ میں نہ آئی
ہاتھ پھولوں سے پہلے بنے تھے
یا کہ گجرے سے چھوٹی کلائی!

(صد برگ)

نظم ''پروین قادر آغا'' پروین شاکر کی زندگی بھر کی بپتا، روداد سفر اور تجربوں کی نچوڑ ہے، اس کا فارم ''نثری نظم'' کا ہے۔

پروین قادر آغا، پروین شاکر کی محسن ہیں۔ وہ پروین کے لیے فرشتہ رحمت ثابت ہوئیں۔ انھوں نے پروین کو شاید ٹوٹ کر چاہا، پروین شاکر نے بھی چاہت کا جواب چاہت سے دیا، اسے اس چاہت پر ایک تفاخر محسوس ہوا۔ اپنے آخری شعری مجموعہ ''انکار'' کا انتساب انھیں خاتون کے نام کیا ہے۔ پروین قادر آغا اور پروین شاکر کے اس رشتے کے عمق کو سمجھنے کے لیے اس نظم کا اقتباس دیکھیے:

مجھ میں اور پاگل پن میں
بس ایک رات کا فاصلہ رہ گیا تھا
خودکشی بھی میری تاک میں بیٹھی تھی
قریب تھا کہ میں اس کے ہاتھ آجاتی
کہ ایک سایہ میری طرف بڑھا
اور میرے سر پر اپنا ہاتھ رکھ دیا
''ہمیں کسی کی پرواہ نہیں

تم جیسی بھی ہو، ہمیں عزیز ہو''
اس دن میں اتنا روئی کہ دنیا اگر ایک تال ہوتی
تو میرے آنسوؤں سے بھر جاتی

اور پروین قادر آغا جو پروین شاکر کی دلدادہ تھیں اسے My Flower Child کہتیں۔ انھوں نے ''فنون'' کے گوشہ پروین شاکر میں کہا ہے:

She was likw a Flower Child a Melody a Fragrance in Fact Poetry itself.I did have Read Her Poetry as For me SHe was herself a poem.

پروین قادر آغا نے چند جملوں میں پروین شاکر کی شخصیت وفن کو وہ خراج عقیدت ومحبت پیش کر دیا ہے، جس کی خوشبوئیں تادیر پڑھنے والوں کے دلوں میں قائم رہیں گی۔ آغا صاحبہ نے پورے مضمون کو جس شیفتگی کی روشنائی سے قلم بند کیا ہے۔ وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے، جس کو ایسے پرستار مل جائیں وہ مر کے بھی زندہ رہتا ہے۔

اب سے چند سال پہلے سید عابد علی نے پروین شاکر سے ایک انٹرویو کیا تھا (مطبوعہ ''ڈان'' کراچی) سب سے پہلے انھوں نے پروین شاکر سے خاندانی پس منظر دریافت کیا۔ جواب میں پروین شاکر نے جو کچھ کہا وہ مختصراً یہ ہے کہ ان کے والد شاکر صاحب جون ۱۹۴۷ء میں بہار سے کراچی ہجرت کر کے آ گئے۔ قبل از وقت آنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ آزادی کی صبح آزاد سرزمین پر دیکھیں۔ پروین شاکر کی باتوں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے والد کے دوسرے تمام بھائی قم کے مجتہد تھے۔ پروین کے دادا نے ان کے والد شاکر صاحب کو بھی اس کار خیر کے لیے نامزد کیا۔ وہ آزاد منش تھے۔ ان سے اس طرح کی Regimentation ناقابل برداشت تھی۔

پروین شاکر کے والد نے کراچی میں ملازمت کر لی اور نہایت تحمل سے ابتدائی مصائب کو درخور اعتنا کیا جو ساری دنیا میں ہجرت کرنے والی پہلی نسل کو بھگتنے پڑتے ہیں۔

Scanned by CamScanner

اور پروین شاکر ایسے ہی والد کے زیر سایہ پروان چڑھی، جو سخت و درشت زمانے کے آزمائے ہوئے تھے۔ اور اپنا ایک ردعمل اور ایک رائے رکھتے تھے اور جب قلم پکڑا تو صائب و راست فکر والد کے افکار و خیالات اس کی شخصی و شعری شخصیت کی تشکیل میں مدد گار ثابت ہوئے۔

اور ایک سوال کے جواب میں کہ آپ اپنی شاعری کے بارے میں کچھ کہنا چاہتی ہیں؟ پروین شاکر نے کہا کہ میں اپنے شعری مجموعے ''خوشبو'' کے بارے میں کوئی بڑا بول بولنے کے بجائے صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ اگر عوام الناس کی پسندیدگی کی کوئی اہمیت ہے تو میں کہوں گی کہ قارئین میں خوشبو کی پذیرائی بڑھ چڑھ کر ہوئی۔ ''خوشبو''، محض محبت کی شاعری ہے جو دو دلوں کے درمیان وقوع پاتی ہے لیکن جب میں نے بلند خیالی کی طرف خود کو راجع کیا تو وہی چیں بہ جبیں نقاد جو میری Love Poetry سے زیادہ خوش نہ تھے اور اسے Adolescent شاعری سے زیادہ گردانتے کے حق میں نہ رہے۔ انھوں نے میری اس تبدیلی کا خیر مقدم کیا۔ اس کے برعکس میرے وہ قارئین جو میری Love Poetry کے دلدادہ تھے انھیں مایوسی ہوئی۔ بہر حال میری شاعری کا وہ ایسا فیز تھا جس سے گزرنا ہی تھا۔ لیکن ''خوشبو'' سے ''خود کلامی'' کی طرف آئی تو وہ زمانہ ''مارشل لاء'' کا تھا اور ایسے وقت دوسروں کو مخاطب کرنے یا ان سے کلام کرنے کے بدلے تخلیق کار اپنے آپ سے کلام کرنے لگے۔ لیکن پروین شاکر نے ''خود کلامی'' کو ''کیموفلاج'' کے طور پر استعمال نہیں کیا، وہ خود کلامی میں بھی زمانے کو مخاطب کرتی رہی۔ اس کی عصری حسیت اس کے شعروں میں بیدار رہی اور اس کے مخاطب کی جان بر ملائیت رہی۔ اس کے شعری مجموعہ ''خود کلامی'' میں شامل نظمیں نئے سال کی پہلی نظم ''پھولوں کا کیا ہوگا''، ''دائرہ'' اور ''بھٹ'' وغیرہ ایسے موقعوں کی نمائندگی کرتی ہیں۔ نظم ''بھٹ'' ملاحظہ کیجیے:

بھیڑیے کے آنے سے
ایک دو گھڑی پہلے

Scanned by CamScanner

ایک سنسناتی بو
بن میں پھیل جاتی ہے
آج میرے گھر میں بھی
میری تیسری حس نے
کوئی بات دیکھی ہے
اتنی دیر میں، میں نے
تیسری کہ چوتھی بار
گھر کے کونے کونے میں
پھر گلاب چھڑکا ہے
پر گلاب کی ڈھالیں
کیا مجھے بچالیں گی؟

پروین شاکر کی اس دور کی غزلیں بھی نظم کے ساتھ قدم ملا کر چل رہی ہیں اور قارئین اور عامتہ الناس کو یہ باور کراتی جاتی ہیں کہ ہم غافل نہیں ہر لمحے تمھارا اظہار بن کر ظاہر ہو رہے ہیں۔ عصر ہمارے اندر اور ہم عصر کے درمیاں ہیں:

سکوت شہر تو پھر بھی سمجھ میں آ رہا ہے
پس دیوار بھی کیا گریہ و زاری نہیں ہے

سب اچھا کہتے ہوؤں کا ہر اس بھی دیکھا
امیر شہر، کبھی آس پاس بھی دیکھا

جو صبح سرمد و منصور تھے، انھیں سر شام
حضور شاہ سراپا سپاس بھی دیکھا

Scanned by CamScanner

خاندانی پس منظر کے بارے میں جو باتیں محولہ انٹرویو کا حصہ بن سکیں اور پروین شاکر کے بیان میں نظر انداز ہو گئیں اس کی تکمیل شاید اب اس لیے ممکن نہیں کہ اب وہ ہم میں موجود نہیں میں تکملہ کے طور پر چند سطور رقم کرتا ہوں:

> ''پروین شاکر اگر چہ کراچی میں پیدا ہوئی تھی لیکن وہ اپنے بزرگوں کی سرزمین حسین آباد ضلع مونگیر اور اس کی پس منظری ادبی و شعری روایات سے بے خبر نہ تھی۔ جس کا ڈانڈا ماضی بعید میں نواب علی ابراہیم خاں خلیل سے جا ملتا ہے۔ ''تذکرۃ الانساب'' (مصنف سید عالم حسین) کے اوراق سے سراغ ملتا ہے کہ نواب ابراہیم خلیل کا جدی گھر حسین آباد تھا۔ وہ حسین آباد سے تقریباً دو تین میل کے فاصلے پر شہر شیخوپورہ میں ۱۷۳۲ء میں پیدا ہوئے۔ اس وقت حسین آباد کے متمول لوگ اپنا ایک مکان شہر شیخوپورہ میں بھی تعمیر کرواتے تھے۔ اس طرح حسین آباد اور شہر شیخوپورہ جڑواں آبادی کی حیثیت رکھتے تھے''۔

نواب علی ابراہیم خاں خلیل کے چھوٹے بھائی نواب قاسم خاں اور ان کی آل اولاد اسی گاؤں میں پلی بڑھی۔ ان میں سے اکثر جو شعر و شاعری سے شغف رکھتے تھے ان کے لاحقے کے طور پر ''حسین آبادی'' اب بھی ان کے کلام کے ساتھ دیکھا جا سکتا ہے۔

نواب علی ابراہیم خلیل نے فارسی میں ایک تذکرہ ''گلزار ابراہیم'' لکھا تھا اس تالیف کی مدت تالیف ۹۹۔۱۱۸۸ ہجری بتائی جاتی ہے۔ کلکتہ کے ڈاکٹر گلکرسٹ کی فرمائش پر مرزا علی لطف نے ۱۸۰۱ء میں اردو میں منتقل کیا تھا۔ (اس کا شمار اردو کے اولین تذکروں میں ہوتا ہے)۔ اسی موضع حسین آباد کے ایک اور بزرگ شاہ محمد ہاشم بہار حسین آبادی تھے جن کا زمانہ پیدائش ۱۲۸۱ھ مطابق ۱۸۶۴ء ہے۔ یہ شاد عظیم آبادی، نواب امداد امام اثر اور فضل حق آزاد کے معاصرین میں تھے اور بہ قول ڈاکٹر ذیشان فاطمی

Scanned by CamScanner

اور ڈاکٹر وہاب اشرفی، شاہ محمد ہاشم بہاران بزرگوں سے کم پایہ نہ تھے۔

پروین شاکر انتقال سے قبل جب پٹنہ گئیں تو وہ اپنے رشتے کے ماموں جابر حسین سے ملی تھیں۔ جابر حسین، اختر پیامی اور ڈاکٹر ذی شان فاطمی کے سگے بھائی ہیں۔ اس طرح جابر حسین سے ہوتی ہوئی یہ قرابت ان کے پردادا شاہ محمد ہاشم تک پہنچتی ہے۔ حال ہی میں ڈاکٹر ذی شان کی ایک کتاب ''بہار رینہ'' پٹنہ سے شائع ہوئی ہے یہ ان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے اپنے پردادا کے فن و شخصیت پر۔

پروین شاکر اب ہم میں نہیں، دسمبر ۱۹۹۴ء کے آخری دنوں میں اسلام آباد کے ایک کار ایکسیڈنٹ میں ان کا انتقال ہوا۔ اسلام آباد کی زمین آخری آرام گاہ بنی۔ پروین شاکر نے یادگار کے طور پر کل کائنات ایک فرزند مراد علی عرف گیتو اور چار شعری مجموعوں پر مشتمل ایک کلیات ''ماہ تمام'' چھوڑی۔ اس کے انتقال کی خبر سے ایک عالم سوگوار ہوا۔ پروین شاکر سے جو جتنا زیادہ قریب تھے۔ انھیں اس سانحے پر اسی شدت سے غم ہوا ہے۔

کوہاٹ کے ادیب شہیر و محقق احمد پراچہ جو پروین کی زندگی ہی میں ۱۹۹۰ء میں ایک کتاب ''پروین شاکر احوال و آثار'' لکھ کر پہل کر چکے تھے، نے انتقال کے بعد دوبارہ اسی عنوان سے ایک کتاب ۲۰۰۳ء میں چھاپی ہے۔ یہ کتاب بھی مرحومہ پر پہل کا درجہ رکھتی ہے۔

انتقال کے بعد انقرہ یونیورسٹی کے شعبہ اردو سے وابستہ پروفیسر اوسمان بیلن اوز جان ترکی سے اسلام آباد سوگوار خاندان سے تعزیت کے لیے اسلام آباد تشریف لائیں۔ پروین شاکر کی قبر پر گئیں، عقیدت کے پھول چڑھائے اور یہ اطلاع دی کہ وہ ترکی میں پروین شاکر پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھ رہی ہیں۔ ساتھ ہی اس بات کی اپیل کی کہ میرے اس کام میں پاکستان کے اہل قلم پروین کے شخص و عکس کے حوالے سے معلومات فراہم کر کے معاونت فرمائیں۔ میں نے اپنی پہلی فرصت میں اس طرح کا کچھ اولی مواد

Scanned by CamScanner

فراہم کر دیا جواب میں محترمہ اوز جان کا خط اردو میں لکھا ہوا تھا:

عادب صاحب (ادیب صاحب)

آپ کا خط اور مقالہ مجھے مل گئے ہیں۔ آپ کا بہت شکریہ۔ مجھے بہت خوشی ہوئی آپ نے میری مدد کے بارے میں سوچا ہے۔ میں نے آپ کا مقالہ غور سے پڑھ لیا ہے میرے کام میں یقیناً آئے گا۔

پھر آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔

خدا حافظ

اوسمان بیلن اوز جان

میں نے حوالے دے کر یہ تو Locate کر دیا کہ پروین شاکر کے بزرگوں کی سرزمین اور اس کا شعری پس منظر کیا ہے؟ لیکن مجھے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان پرکھوں سے پروین شاکر کے بزرگوں کی براہ راست رشتے داری کیا ہے، لیکن شرفاء کی دس بیس گھروں کی بستی میں غیر کہاں ہوتے ہیں۔ سب ایک دوسرے سے رشتہ و قرابت میں بندھے ہوتے ہیں۔

پروین شاکر کے ذکر میں چل کر بہت دور نکل آیا ہوں، نہ منزل قدم چومتی ہے، نہ قدم تھکتے ہیں۔ کچھ اور کچھ اور کی صدا ہر طرف سے آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ پروین شاکر کی شخصیت اور شاعری ہمیشہ اس بات کی متقاضی رہے گی کہ اس پر کسی نئے نہج سے مطالعے کا ڈول ڈالا جائے۔

گھبرائیے نہیں، میں پروین شاکر کو سیفو (قدیم) اور سلویا پلاتھ (جدید) سے مثال دینے کی زبردستی نہیں کروں گا۔ پروین شاکر اس طرح کے تقابل کے بغیر بھی ایک اہم ترین شاعرہ ہے۔ اس کی نظم ہو یا غزل ہر طرح تازہ کاری کا خوبصورت نمونہ، زمانہ آشنا و زمانہ آگاہ ہے۔ لیکن پھر وہی میرے اندر کا مطالبہ کچھ اور کچھ اور تو جواب میں عرض

Scanned by CamScanner

ہے کہ سردست میرے پاس کہنے کو کچھ نہیں ہے۔ پروین شاکر کے حوالے سے میرا سرمایہ اس کا ایک خط ہے جو میرے نام پہلا اور آخری خط ہے، اس کو اپنے اس مضمون کا تکملہ بناتا ہوں اسے ریکارڈ پر آجانا چاہیے کیونکہ خطوط کسی شخصیت کی کھڑکیاں ہوتی ہیں۔

سہیل صاحب

آداب

آپ کا ۴ فروری کا خط مجھے پرسوں پانچ ماہ بعد کالج کھلنے پر ملا۔ پڑھ کر ایک حیرت آمیز مسرت ہوئی کہ حرف کے رشتے سے ہمارے درمیان اور کتنے رشتے نکل آئے۔ میرے والد اور آپ ہم وطن نکلے۔ کیسا عجیب اتفاق ہے! پیامی صاحب سے ہمارے براہ راست تعلقات تو نہیں ہیں، لیکن کہیں نہ کہیں بزرگ آپس میں مل لیتے ہیں۔ ان کے علم و ہنر کی میں قدر دان ہوں۔ مارننگ نیوز پڑھتی ہوں لیکن کبھی ملاقات کا شرف حاصل نہ ہو سکا۔

''ترانہ بی بی'' سے صورتاً میں واقف نہیں ان سے کہیے کہ کسی دن فری پریڈ میں آکر مجھ سے ضرور مل لیں۔

آپ میری شاعری سے خوش ہیں یہ آپ کی عنایت ہے اس لیے بھی کہ میرے دل میں آپ کی رائے اور شاعری ہر دو کا بڑا احترام ہے آپ کی نظمیں بے پناہ ہوتی ہیں۔ اتنی بڑی تاخیر قابل معافی تو نہیں لیکن حالات کی نوعیت جان کر آپ یقیناً مجھے معاف کر دیں گے۔

پروین شاکر

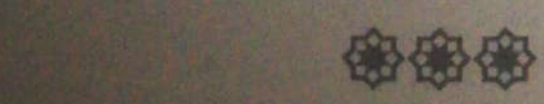

Scanned by CamScanner